

نہیں ہے مگر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ سادگی کا یہ انداز ان کی خصوصیات شعری کی نشاندہی کرتا ہے :

تمہارے وعدہ فردا کا اعتبار تو ہے
مگر حیاتِ دو روزہ کا اعتبار نہیں

اخترِ صبح، کیا کہوں اپنے وطن کا ماہرا
شیخِ خلوص، بھگ گئی، بزمِ وفا بکھر گئی

ختم ہوئی شبِ نشاط، سمجھ گئی شمعِ آرزو
ٹھہر تو جا دلِ حنزیں، دیکھ تو صبح ہو چلی

محاوروں کی بھی دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں:
کب تک میں نا خدا کے سہارے جیا کروں
پانی تو اے خدا مرے سرے گزر گیا

و آصف زار کو کبھی آیا نہ راس یہ چین
چرخِ ستم ظریف نے چھاتی پہ مونگ ہی دلی

تینکے کا بھی سہارا دل کو نہیں گواہ
گو زندگی کی کشتی گم داب میں پھنسی ہے

اپنی ۱۹۸۸

مولانا آصف کی شاعری کے کئی پہلو میں نے دانستہ نظر انداز کر دیے
ہیں ورنہ ان کا احاطہ کرنا میرے لئے دشوار ہو جاتا۔ ایسا محسوس
ہوتا ہے جیسے انھوں نے اپنے علوم و فنون کی حدیں مقرر کر دی ہیں۔
انھوں نے عشقیہ تقاضوں اور اخلاقی معیاروں میں ایک مفاہمت پیدا
کر لی ہے۔ ان متضاد کیفیتوں میں آپس میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ ان کی
ادبی حیثیت، شاعرانہ مرتبہ اور مذہبی تقدس ایک دوسرے کے
حریف نہیں بلکہ حلیف بن کر سامنے آتے ہیں۔

عربی تنقید نگاری تایخ، اصول و مسائل

(۲)

جناب محمد سمیع اختر فلاحی ایم اے ریسرچ اسکالرشپ عربی اسلامی یونیورسٹی علی گڑھ

عہد جاہلیت کے تنقیدی نمونے :

اگر یہ نظریہ درست ہے کہ بغیر اعلیٰ تنقیدی شعور کے کوئی اعلیٰ ادبی شاعر کا وجود
میں نہیں آسکتا تو پھر اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ عربوں کے اندر
دور جاہلیت سے ہی تنقیدی شعور موجود تھا ورنہ جاہلی شعرا ایسی ادبی تخلیقات
پیش کرنے سے قاصر رہتے۔ جاہلی دور میں تنقید کے جو نمونے ملتے ہیں وہ ہماری
رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ ان کے درمیان مختلف موقعوں پر منعقد ہونے والی ادبی
مجلسیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ان کے درمیان نقد و نقادی کا رواج موجود
تھا۔ ان مجلسوں میں شعراء شریک ہوتے۔ اپنے اشعار پڑھتے، وہاں ایسے سخی شناس
اور تنقیدی شعور رکھنے والے حضرات بھی موجود ہوتے جن کی اشعار کے محاسن و
معائب پر گہری نظر ہوتی، وہ اس مجلس میں پڑھے گئے اشعار کے بارے میں اپنی رائے

دیتے، وہاں جن اشعار کو پسند کیا جاتا وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتے۔ عرب کے میلوں اور خصوصاً سوق عکاظ کی ادبی مجلسوں کے متعلق جو روایتیں ملتی ہیں وہ ان کی شہر نشانی سمجھی کا ثبوت ہیں۔

عکاظ طائف اور نخلہ کے درمیان ایک صحرا تھا جہاں حج کے موقع پر عرب جایا کرتے تھے۔ ذی قعدہ کی پہلی تاریخ سے ۱۰ تاریخ تک وہاں میلانگ کرتا تھا۔ یہاں منعقد ہونے والی ادبی مجلسیں تاریخِ نقد میں کافی مشہور ہیں۔ یہاں مختلف علاقوں کے شعراء اور مختلف خطوں کے مقررین جمع ہوتے اور اپنی خطابت و شاعری کے اعلیٰ نمونے پیش کرتے، ان ادبی مجلسوں میں عرب کی بزرگ، تجربہ کار اہل اعلیٰ ادبی ذوق رکھنے والی ہستیوں کو حکم مقرر کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ مختلف شعراء کے درمیان کسی شاعر کو سب سے افضل قرار دیتے۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش ہوتی کہ اس کے شاعر کو افضل قرار دیا جائے کیونکہ جس شاعر کو یہ لوگ بہتر گردانتے وہ بہت جلد ہی پوری عرب دنیا میں مشہور ہو جاتا۔ جس قصیدے کو منتخب کر لیا جاتا اسے آبِ زر سے لکھوا کر خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیا جاتا۔ مشہور تعلقات کی شہرت بھی اسی طرح ہوتی۔ عکاظ کی ادبی مجلسوں میں جن کے نام بطور حکم ملتے ہیں ان میں مشہور جاہلی شاعر نابغہ ذبیانی بھی تھے۔ اشعار کی قدر و قیمت کے تعین کے سلسلے میں اس کی رائے شعراء کے نزدیک قابل قبول ہوتی تھی۔ نو مشرق شعراء اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اشعار سناتے اور اصلاح لیا کرتے تھے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی تنقید کی تاریخ بہت پرانی ہے:

”ذیرقال بن بدہ، عمرو بن الاہتم، عبدة بن الطیب اور نخل سعدی

چاروں ربیعہ بن حنظلہ اسدی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے

اشعار کے سلسلے میں دریا فتا کیا کہ ان میں سب سے بڑا شاعر کون

ہے؟ یہی ہے کہ انسان کی طرف سے جو کچھ دوسروں کے لئے
 طے کرنا ہوتا ہے تو وہ ایسے گرم گوشت کی مانند ہے جو نہ ٹھنڈا
 بچا ہوا ہے نہ کہ اسے کھایا جائے اور نہ ہی اسکا کچا ہے کہ کھنا دوسرا
 اس سے فائدہ اٹھا سکے لے غور بار ہے تمہارے اشعار گو وہ اس
 عشق چادر کی طرح ہیں جو نگاہوں کو غیور کرتی ہے مگر جب بھی
 انسان اس کی طرف دیکھے گی کوشتل کرتا ہے اس کی نگاہیں گدرد
 ہو جاتی ہیں۔ اے غیل! تمہارے اشعار ان دھڑوں کے مقابلے میں
 گمزدج کے ہیں جب کہ دوسروں کے مقابلے میں بہتر ہیں۔ اے
 عبید! رہا تمہارا سالک تو تمہارے اشعار اس چادر کی مانند ہیں جس
 کی سوتیلیں باہم دیگیاں اس طرح بیوست ہیں کہ اس سے کو قطرہ نہیں
 ٹپک سکتا۔

حصان بن ثابت نے بانار عکاظ میں یہ شعر پڑھا:

لما اقصت الغریل عن بالضيحی واسیافنا یقطرون من نجلد واما
 (ہمارے لئے سارے روشن گن (خوان گرم) ہیں جو دھب ہیں چکے ہیں یعنی ہم
 تکی ہیں، اور ہمارے پاس ایسی تلواریں ہیں کہ شجاعت کی وجہ سے ان کے سر
 سے خون ٹپکتا ہے یعنی ہم بہادر ہیں۔)

کہا جاتا ہے کہ سوق عکاظ میں جب نافعہ زبانی نے یہ شعر سنا تو حسب ذیل
 تنقید کی:

اگر حسان فرمے کہ بجائے تبیض "استقال کرتا تھا مہربا کیونکہ غز اس معنی میں
 یہ سیر کی کہ اس چوٹے جھکے ہیں جو کسی دوسرے ننگ کے درمیان واقع ہو جائے
 تبیض "استقال کرتا تو فرہ کی بہ نسبت زیادہ مباعد ہوتا۔

اپریل ۱۹۹۹ء

۵۴

۲۔ اسی طرح حسان "یلعن بالعدا" کے بجائے "یلعن بالذبا" کہتے تو زیادہ اچھا ہوتا کیونکہ دن میں چمکنا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ چمک حقیقت میں تاریکی کے امدادی نمایاں ہوتی ہے۔

۳۔ اس طرح "یقظرن" کے بجائے "یبحرن" کہتے تو زیادہ مہذب ہوتا کیونکہ دریائے بحری کے معنی بہنے کے ہیں۔ ٹپکنے اور بہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ان اعتراضات کے جواب میں مندرجہ ذیل باتیں کہی گئیں:

۱۔ "غمر" سے مراد شاعر نے لگن کی چمک نہیں بلکہ فوان کرم کا خلق میں مشہور و معروف ہونا مراد لیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "یوم اغر" اور "ید اغر" ان دونوں جگہوں پر "اغر" کے معنی حقیقت چمک نہیں بلکہ مشہور و معروف کے ہیں۔

۲۔ "ضعی" کے بجائے "دجی" کا استعمال درست نہیں ہے کیونکہ دن میں وہی چیز چمکتی ہے جو زیادہ روشن و درخشاں ہو۔ اس کے برخلاف رات میں خفیف چمک والی چیز بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔

۳۔ تیسرا اعتراض عربی محاورے اور روزمرہ کے استعمال کے خلاف ہے۔ عرب کسی بہادر کی تعریف کے موقع پر "سلفاً یقطر دما" بولتے ہیں۔ اگر تیسرا "سینہ" یحجرین دما" کہتا ہے تو یہ قیاس کے خلاف ہے^۴۔

تابعہ زبانی کے لئے بازار عکاک میں سرخ رنگ کا چیمہ نصب کیا جاتا۔ شعراء اس کے حضور میں آکر اپنے اشعار سناتے وہ اشعار سننے کے بعد ان پر گماں قد تقیہ کیا کرتا۔ ایک بار مشہور شاعر اعرشی نے تابعہ کے سامنے ایک تھیدہ پڑھا۔ اس کے بعد حسان بن ثابت نے کچھ اشعار پیش کئے تو تابعہ نے کہا کہ اگر آپ سے قبل اعرشی نے کچھ اشعار نہ سنائے ہوتے تو میں آپ کو انس و جن دونوں مخلوقات میں سے بڑا شاعر تسلیم کر لیتا۔ حضرت حسان نے کہا: خدا کی قسم میں تم سے، تمہارے باپ

سے اور تمھارے دادا سے بھی بڑا شاعر ہوں۔ نابغہ نے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:
میرے عزیز تم اس پر قدرت نہیں رکھتے کہ ایسا شعر کہو:

فانك كالليل الذي هو صددكى وان خلت ان القناني عنك واسبح

(اے اس رات کی مانند ہے جو آنے والی ہے اگرچہ تو خیال کرے کہ

فاصلہ دراز ہے)

یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سارے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا
ہے کہ عصر جاہلی میں عربی تنقید کے رجحانات موجود تھے۔ اگرچہ یہ نظریات ذاتی اقوال
انفرادی پسندیدگی اور سطحی افکار پر مشتمل تھے۔ ان کے پاس متعین تنقیدی پیمانے
نہ تھے۔ جابجی دور میں شعور کی صفات سے ان کے نام رکھے جاتے تھے۔ یہ چیز بھی ان
کے تنقیدی شعور کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ بلہل بن ربیعہ کا نام بلہل اس لئے
پڑا کیونکہ ”بلہل“ کے لفظی معنی کپڑے کو باریک بننے کے آتے ہیں۔ یعنی اس کی شاعری
بہت دقیق تھی بلہل پہلا شاعر ہے جس نے شعر میں لطافت پسند کی اور اسے خوب
نامانوس الفاظ سے پاک کیا۔

اس طرح کعب غنوی کو عربوں نے کعب الامثال کہا ہے اس لئے کہ انھوں نے
اپنے اشعار میں ضرب الامثال کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ طفیل غنوی کو طفیل الخیل
اس لئے کہا گیا کہ اس کے کلام میں گھوڑے کی تعریف کثرت سے ملتی ہے۔ امرؤ القیس
بڑا نرہ اور لاپرواہ تھا اور شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اسے اسے ”الملك الضلیل“
بہت بڑا گمراہ بادشاہ کا خطاب دیا گیا۔

زمیر بن ابی سلمیٰ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قصیدہ کہنے کے بعد فوراً نہیں
سنادیا کرتا تھا بلکہ کافی عرصے تک بسا اوقات تو پورے پورے سال تک اس
کی تراش خراش اور تنقید و اصلاح کرتا رہتا تھا اور ہر طرح سے نوک پلک

درست کرنے کے بعد اے عوام کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اس لئے اس کے قصائد کو ”جذبات“ بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ قصائد جن کی اصلاح و درستگی میں پورا سال صرف ہوا ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا تنقیدی شعور بختم تھا کہ وہ کلام کے محاسن و معائب کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

ایک مرتبہ امرؤ القیس اور علقمہ بن عبیدہ میں مقابلہ ہوا کہ دونوں میں کون بڑا شاعر ہے۔ دونوں کو بڑائی کا دعویٰ تھا۔ علقمہ نے کہا چلو تمہاری بیوی جذب کو حکم بناتے ہیں اور وہ جو فیصلہ کرے اس کو تم دونوں مان لیں۔ ام جذب نے کہا کہ تم دونوں ایک ہی قافیہ اور ایک ہی ردیف میں قصیدہ کہو۔ اور اس میں گھوڑے کی صفات بیان کرو۔ دونوں کے اشعار سننے کے بعد ام جذب نے فیصلہ دیا کہ علقمہ امرؤ القیس سے بڑا شاعر ہے۔ امرؤ القیس نے طیش میں آکر پوچھا کہ اس ترجیح کی وجہ کیا ہے اس کی بیوی نے جواب دیا کہ تم نے کہا ہے کہ کوڑے مار کر اور ڈانٹ کر گھوڑے کو میں نے قابو میں کیا اور علقمہ کا گھوڑا بغیر ڈانٹے ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ یہ سن کر امرؤ القیس نے کہا کہ حلقہ مجھ سے بڑا شاعر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم ضرور اس پر پہلے سے عاشق رہی ہو گی چنانچہ اس نے جذب کو طلاق دے دی اور علقمہ نے اس سے شادی کر لی۔

اس دور میں عربوں کا تنقیدی شعور اتنا ترقی کر چکا تھا کہ وہ الفاظ کے معانی اور ان کے مواقع استعمال کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور الفاظ کے غلط استعمال کو پکڑ لیتے تھے۔ مشہور شاعر طرفہ نے حبیب بن علس کا ایک شعر سنا جس کے اندر اونٹ کی صفت بیان کرتے ہوئے ”صعیرہ“ کا لفظ استعمال کیا گیا تھا جو اونٹنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ طرفہ نے یہ سن کر کہا کہ حبیب نے اونٹ کو اونٹنی بنا دیا ہے۔

عہد جاہلیت میں عرب بھور و قوافی کے صحیح استعمال سے بھی واقف تھے۔ مشہور